© rasailojaraid.com

قانون وقضا

جرمِ زنا آرڈی نینس پر اعتراضات کا جائزہ

ملک میں اس وقت بعض مخصوص مقاصد کے تحت حدود آرڈیننس کا میڈیا ٹرائل جاری ہے۔ ماہنامہ محدث نے گذشتہ سالوں میں قانونِ توہین رسالت کے علاوہ حدود آرڈیننس پر بھی متعدد ایسے مضامین شائع کئے جن میں قانونی وابلاغی حلقوں کے اعتراضات کا تفصیلاً جواب دیا گیا ہے۔ صرف ۲۰۰۴ء میں حدود آرڈیننس پر تین تفصیلی مضامین شائع ہوئے: جنوری ۲۰۰۴ء میں 'حدود آرڈیننس کا بدستور نفاذ یا استرداد؟' جون ۲۰۰۴ء میں 'حدود قوانین، انسانی حقوق اور مغرب کا واویلا' اور نومبر ۲۰۰۴ء میں 'قتل غیرت کے نام پر قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی' تازہ ابلاغی معرکہ کی حقیقتِ حال کو جاننے کے لئے قارئین کو محدث کے ان سابقہ مضامین کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا، بالخصوص جون ۲۰۰۴ء میں شائع ہونے والا ڈاکٹر ظفر علی راجا کا مضمون۔ مطالعے کے لئے ان مضامین کو محدث کی ویب سائٹ پر بھی دوبارہ لنک Link کردیا گیا ہے۔

زیر نظر مضمون اسلام آباد کے ادارے ویمن ایڈ ٹرسٹ کی طرف سے حدود قوانین پر اعتراضات کا جواب دینے کی ایک قابل قدر کاوش ہے جس کی اہمیت موجودہ حالت میں دو چند ہوجاتی ہے۔ اس مضمون کے حواشی میں ڈاکٹر ظفر علی راجا کے تحریر کردہ بعض مفید نکات اور نظائر کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے۔ مدیر

❊ کیا اس آرڈی نینس کو جلدی میں مدوّن و نافذ کیا گیا؟

حد زنا آرڈی نینس پر سب سے پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ قوانین اچانک منظر عام پر آئے، جن پر نہ تو کسی بحث کی ضرورت محسوس کی گئی اور نہ کسی سطح پر کوئی تبادلہ خیال یا غور وخوض کیا گیا۔ نیز ان کے نفاذ کے ممکنہ نتائج کے تجزیے کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ ان کا مصنف کون ہے؟ [۱]

جو لوگ حقیقتِ حال سے واقف ہیں، وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ محض ایک غلط فہمی ہے۔ جناب شریف الدین پیرزادہ، جناب اے کے بروہی، ڈاکٹر خالد اسحٰق، جسٹس (ر) اے کے صمدانی،

---

① 'حد زنا آرڈیننس پر تنقید' از جسٹس فقیر محمد PLD2000، ص ۳۰

© rasailojaraid.com

جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ، جسٹس (ر) صلاح الدین، مولانا تقی عثمانی، جسٹس (ر) پیر کرم شاہ ازہری اور ڈاکٹر محمود احمد غازی جیسی نمایاں شخصیات نے اسلامی نظریاتی کونسل میں مسلسل چودہ ماہ تک بحث و مباحثہ کے بعد سفارشات کو حتمی شکل دی۔ ان سفارشات کی بنیاد پر ہی ۱۹۷۹ء میں حدود کے قوانین کا نفاذ کیا گیا۔ ②

شام کے سابق سپیکر ڈاکٹر معروف دوالیبی، معروف شامی سکالر ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا اور سوڈان کے سابق اٹارنی جنرل سے بھی حدِ زنا آرڈی نینس کے بارے میں رائے لی گئی۔ اس آرڈی نینس کے مسوّدہ کو عوامی رائے معلوم کرنے کے لئے مشتہر بھی کیا گیا تھا۔ پاکستان میں رائج دیگر قوانین کے بارے میں تو شاید یہ اعتراض کیا جاسکے کہ اکثر قوانین وزارتِ قانون و پارلیمانی اُمور کی غلام گردشوں میں تدوین کے مراحل طے کرتے ہیں اور کسی صبح اچانک نافذ کردیے جاتے ہیں لیکن حدود کے قوانین کے بارے میں ایسا اعتراض سراسر لاعلمی پر مبنی ہے۔☆

❋ کیا اس آرڈی نینس کو غیر جمہوری انداز میں نافذ کیا گیا؟

ایک اعتراض یہ ہے کہ فردِ واحد یعنی جنرل ضیاء الحق نے غیر جمہوری انداز میں اس قانون کو نافذ و جاری کیا۔

جمہوری اداروں کی عدم موجودگی میں قانون سازی کا عمل بہرحال فردِ واحد کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے اور کسی بھی قانون کی تشکیل سے قبل اس پر عوامی نمائندوں کی جانب سے ضروری بحث و مباحثہ کا رسمی عمل ممکن نہیں ہوتا لہٰذا یہ ابہام قائم رہتا ہے کہ ان قوانین کو عوام کی کس قدر تائید حاصل ہے۔ تاہم حدود قوانین کے حوالے سے یہ بحث اب اس اعتبار سے غیر متعلق ہوچکی ہے کہ ۱۹۷۹ء میں ان کے اجرا کے بعد، ۱۹۸۵ء میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے یہ قوانین جمہوری طور پر منتخب اسمبلی نے منظور کرلیے تھے اور اس کے بعد ملک میں اکتوبر ۲۰۰۲ء

---

② 'پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل' از ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص ۲۶، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین ڈاکٹر ایس ایم زمان نے روزنامہ 'انصاف' لاہور (مؤرخہ ۲۸ مئی ۲۰۰۴ء کو) انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ طویل غوروخوض کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل نے اس قانون کا اوّلین مسودہ تیار کیا تھا اور پھر قاعدے کے عین مطابق وزارتِ قانون پاکستان نے اس کا حتمی مسودہ مرتب کیا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

میں ہونے والے انتخابات کے ذریعے پانچویں مرتبہ پارلیمنٹ قائم ہوچکی ہے اور منتخب اداروں نے اگر ان قوانین کو مسلسل جاری رکھا ہے تو یہ منتخب اداروں کی طرف سے ان قوانین کو جواز عطا کرنے کی ہی ایک صورت ہے۔

❊ کیا مثالی اسلامی معاشرہ کے قیام کے بغیر حدِزنا آرڈی نینس کا نفاذ مناسب ہے؟

کہا جاتا ہے کہ جس معاشرے میں فحاشی اور عریانی عروج پر ہو، میڈیا کے زیراثر نوجوان نسل تیزی سے بے راہ روی کا شکار ہورہی ہو تو ان حالات میں حدِزنا کی سخت سزاؤں کا نفاذ غیر مناسب ہے۔ لہٰذا جب تک بُرائی پر آمادہ کرنیوالے تمام عناصر کا قلع قمع نہیں کردیا جاتا اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ وجود میں نہیں آجاتا اس وقت تک اس قانون کو ختم کردینا چاہئے۔

عملی طور پر انسانی معاشرے میں مثالی اسلامی معاشرے کا قیام ایک مشکل بات ہے۔ نیز اس بات کا تعین کرنا کہ معاشرہ مثالی بن چکا ہے یا نہیں؟ بھی ممکن نہیں۔ اسلام نے جس مثالی معاشرے کی تصویر کشی کی ہے وہ دراصل ایک ہدف ہے جس کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ دورِ حاضر میں جو معاشرے مہذب کہلاتے ہیں وہاں بھی چوری، ڈاکہ، فراڈ اور خواتین کی بے حرمتی جیسے واقعات بڑی تعداد میں وقوع پذیر ہوتے ہیں، اس لئے یہ اعتراض محض فرار کا ایک راستہ ہے۔ دراصل معاشرے سے برائیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے اور اسے مثالی معاشرہ بنانے کے لئے ہی قوانین بنائے اور نافذ کئے جاتے ہیں۔ حد زنا کا قانون بھی معاشرے کو پاکیزہ بنانے کے لئے بنایا گیا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ موجودہ حالات میں جب بہت سے عناصر لوگوں کو جرمِ زنا کے ارتکاب پر مجبور کررہے ہیں تو سنگساری یا کوڑوں جیسی سخت سزا کا قانون نامناسب ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں مسئلہ کا حل یہ ہرگز نہیں کہ اس قانون کو ہی ختم کردیا جائے بلکہ دراصل ان عناصر کا خاتمہ ہونا چاہئے جو معاشرے کو بُرائی کی آماج گاہ بنارہے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ حد زنا کا قانون کوئی جامد قانون نہیں۔ دراصل یہ عدالتوں کا کام ہے کہ وہ مقدمہ کی تفصیلات، واقعات کا پس منظر، جرم کے محرکات اور ملزم کے حالات کو پیش نظر رکھ کر مقدمہ کا فیصلہ اور سزا کا تعین کریں۔ شریعتِ اسلامی میں

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ذرا سا شبہ بھی حد زنا کی سزا کو ساقط کر دیتا ہے۔ شریعت کا مستقل اُصول ہے کہ ''شبہات کی بنا پر حدود ساقط ہوجاتی ہیں۔'' ان شبہات سے فائدہ اٹھا کر ۱۹۷۹ء سے لے کر اب تک حد کی سزا پاکستان میں نافذ نہیں کی گئی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ان مقدمات میں تمام ملزموں کو بری کر دیا جاتا ہے بلکہ عدالت کو مقدمہ کے حالات کے مطابق تعزیری سزا دینے کا اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں ایک قانون کو ختم کرنے کی بجائے معاشرے کو مثالی معاشرہ بنانے کی طرف پیش رفت کی جائے اور افراد کی اصلاح و تربیت کرنے پر زور دیا جائے۔

❋ کیا سزا کے لئے بلوغت کو معیار بنانا درست نہیں؟

حد زنا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۵ اور ۱۰ کے مطابق ہر عاقل و بالغ شخص جو جرمِ زنا کا ارتکاب کرے گا، وہ ان دفعات میں دی گئی سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ اس پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے جاتے ہیں:

① پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں عموماً ۹/۸ سال کی عمر کی بچیاں بھی بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں جو جسمانی طور پر تو بے شک بالغ ہوتی ہیں لیکن ذہنی طور پر اتنی پختہ نہیں ہوتیں کہ اس جرم کی نوعیت اور اس کے نتائج کو سمجھ سکیں۔ ایسی معصوم بچیوں کو ان دفعات کے تحت سزا دینا بڑا ظلم ہے۔

② دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ فطری طور پر ایک بچی جلدی بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بچے کی نسبتاً جلد سزا کی مستحق قرار پاتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا امتیازی سلوک ہے جو عورت کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔

ان اعتراضات کے حوالے سے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ کسی بھی قانون کا بنیادی مقصد معاشرے کو جرائم سے پاک کرنا اور افرادِ معاشرہ کو ان جرائم کے ارتکاب سے باز رکھنا ہے۔ جامع اور نقائص سے پاک قانون وہی ہوسکتا ہے جو جرم کے ارتکاب کی تمام امکانی صورتوں کا راستہ روکنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسمانی طور پر بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد کوئی بھی بچہ یا بچی جنسی خواہش کو پورا کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لئے ایسا کوئی قانون موجود ہونا

© rasailojaraid.com

چاہئے جو اُنہیں اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھ سکے۔ اگر کسی معاشرے میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں تو یہ اُس معاشرے کے قانونی نظام میں ایک سقم ہے جسے بہر حال دور کیا جانا چاہئے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بچیاں جسمانی طور پر تو بالغ ہوجاتی ہیں لیکن ذہنی طور پر اتنی پختہ نہیں ہوتیں کہ جرم کی نوعیت اور اس کے نتائج کو سمجھ سکیں۔ اس سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ اُنہیں سزا سے مستثنیٰ قرار دینے کو عمومی اُصول نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اس طرح کم عمر بچے جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائیں گے۔ تاہم عدالتوں کی یہ مستقل ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ ملزم ذہنی طور پر کتنا پختہ ہے اور ہر مقدمہ کی نوعیت کے مطابق کسی بھی ملزم کو سزا میں رعایت دی جاسکتی ہے یا اسے سزا سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہی بات تعزیراتِ پاکستان دفعہ نمبر ۸۳ میں بھی بیان ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

> ''۷ سال سے ۱۲ سال کی عمر کا بچہ جو اتنی پختہ سوچ کا مالک نہ ہو کہ اپنے رویے کی نوعیت اور اس کے نتائج کو اچھی طرح سمجھ سکے، اگر کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ جرم تصور نہیں ہوگا۔''

مذکورہ بالا دفعہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۷ سال سے ۱۲ سال تک کی عمر کا بچہ صرف اس صورت میں فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ ہے جب عدالت اس بات پر مطمئن ہو کہ وہ اتنی پختہ سوچ کا مالک نہیں ہے کہ اپنے رویے کی نوعیت اور اس کے نتائج کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ اسی طرح جو بچہ ۱۲ سال سے زیادہ عمر کا ہے، وہ فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اسے جرم کے ارتکاب پر سزا دی جائے گی۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اسے امتیازی سلوک ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ بلوغ کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک بچی یا بچہ اس جرم کے ارتکاب کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں لہٰذا اس جرم کے ارتکاب کا راستہ روکنے کے لئے ضروری ہے کہ قانون موجود ہو۔ اس بات کو ہم اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مثال کے طور پر اگر یہ قانون بنایا جائے کہ لڑکا ہو یا لڑکی ۱۲ سال کی عمر سے قبل سزا سے مستثنیٰ ہوں گے تو ایسی صورتِ حال میں اگر کوئی بھی لڑکا یا لڑکی اس جرم کا ارتکاب ۱۲ سال کی عمر سے قبل کرتے ہیں تو اس کا سدباب کیسے ممکن ہوگا؟ یہ

اس قانون میں موجود ایک سقم کہلائے گا۔ نیز ایک تکنیکی مسئلے کو خواہ مخواہ خواتین سے امتیازی سلوک قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

ہم یہاں اس بات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ بچوں کے حوالے سے سب سے پہلے قانون سازی اسلام نے کی۔ اسلامی شریعت میں ولادت سے لے کر بلوغت تک ادراک و اختیار کی تکمیل کے مختلف مراحل کے لحاظ سے بچوں کے احکام مختلف ہیں۔ ولادت سے لے کر سن بلوغ تک انسان کئی مراحل سے گزرتا ہے۔ پہلا مرحلہ جس میں اِدراک موجود نہیں ہوتا تو وہ ناسمجھ بچہ یعنی 'صبی غیرممیّز' ہے۔ یہ مرحلہ ۷سال تک جاری رہتا ہے۔ اگر بچہ ۷سال کی عمر سے قبل کوئی جرم کرے تو اسے کوئی سزا نہ دی جائے اور ایسا بچہ فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ ہوگا۔ دوسرا مرحلہ ۷ سال کے بعد سے شروع ہوکر بلوغ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ سمجھدار بچہ یا 'صبی ممیّز' کہلاتا ہے۔ یہ بھی فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ ہے، اسے کسی جرم کے ارتکاب پر سزا نہیں دی جائے گی، تاہم اسے ایسی تادیبی سزا دی جاسکتی ہے جس کا مقصد تنبیہ اور سرزنش ہو۔ تیسرا مرحلہ بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے، ایسا فرد جرم کے ارتکاب پر سزا کا مستحق ہوتا ہے، اس کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں بلکہ علاماتِ بلوغ کے ظاہر ہوتے ہی یہ مرحلہ شروع ہوجاتا ہے۔[۳]

❋ کیا سابقہ قانون اس آرڈی نینس سے بہتر تھا؟

ایک خیال یہ ہے کہ چونکہ پاکستان کی خواتین یہاں کے مخصوص معاشرتی پس منظر کی وجہ سے پوری طرح آزاد اور خود مختار نہیں ہوتیں، اس لئے ان غیر مساوی حالات میں زنا کے مقدمات میں عورت کو ملزم بنانا درست نہیں، لہٰذا سابقہ قانون حد زنا آرڈی نینس کی نسبت بہتر تھا، اسے بحال کیا جائے۔

سابقہ قانون یعنی تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر ۴۹۷ کے مطابق زنا کے مقدمات میں صرف مرد ملزم ہوتا تھا اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ کسی شادی شدہ عورت سے اس کے شوہر کی اجازت یا اس کی ملی بھگت کے بغیر اس جرم کا ارتکاب کرتا۔ بالفاظ دیگر زنا بذاتِ خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ یہ صرف اس لئے جرم تھا کہ شوہر کے حق میں کسی دوسرے نے مداخلت کی

[۳] اسلام کا فوجداری قانون از عبدالقادر عودہ، مترجم پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، ج۱ ص۱۲ ۷، طبع مئی ۱۹۹۱ء

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اسی طرح کنواری ، بیوہ اور مطلقہ خواتین کے ساتھ ان کی مرضی سے فعل زنا کا ارتکاب کوئی جرم نہ تھا۔اس دفعہ کے تحت دراصل معاشرے کے بدکردار اور بیمار ذہنیت کے حامل افراد کو کھلی چھٹی دے دی گئی تھی جو کہ ہماری معاشرتی اقدار اور اسلامی تعلیمات سے متصادم تھی چنانچہ جو لوگ جائز نکاح کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنا درست سمجھتے ہیں، ان کی جانب سے یہ مطالبہ تو قابل فہم ہے لیکن جو لوگ نکاح کے بغیر جنسی تعلقات کو غلط سمجھتے ہیں، اُنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ سابقہ قانون میں ایک ایسا سقم موجود تھا جسے دور کرنا ضروری تھا۔ اسلام زنا کو معاشرے کیلئے سخت نقصان دہ سمجھتا ہے اور اسے مطلقاً حرام قرار دیتا ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿وَلاَ تَقْرَبُوْا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَآءَ سَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۳۲)

''زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت بُرا راستہ ہے۔''

نیز فرمایا کہ

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِاْئَةَ جَلْدَةٍ﴾ (سورۃ النور:۲)

''زانی عورت اور زانی مرد ہر ایک کو ۱۰۰، ۱۰۰ کوڑے مارو۔''

جرمِ زنا کو حرام قرار دیتے ہوئے اس پر سخت ترین سزا تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ فرد اور معاشرے کو ان قباحتوں سے بچانا چاہتی ہے جو اس فعل کا لازمی نتیجہ ہیں۔ یہ نتائج مندرجہ ذیل ہوسکتے ہیں:

① ایک زانی اپنے آپ کو امراضِ خبیثہ کے خطرے میں مبتلا کرتا ہے اور اس طرح وہ نہ صرف اپنی جسمانی قوتوں کی اجتماعی افادیت میں نقص پیدا کرتا ہے بلکہ معاشرے اور نسل کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ایڈز جیسی بیماریوں کے پھیلنے سے آج مغرب خود پریشان ہے اور اس بات کی تبلیغ پر مجبور ہے کہ لوگ اپنے آپ کو صرف اپنی قانونی بیوی تک محدود رکھیں۔ بعض امراض تو ایسے ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں۔

② ایک زانی کے لئے ان اخلاقی کمزوریوں سے بچنا ناممکن ہے جن کا اس کے کردار میں پیدا ہونا اس فعل کا لازمی نتیجہ ہے۔بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، خواہشات کی غلامی، ضبطِ نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور بے وفائی جیسی برائیاں زانی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

میں پیدا ہوجاتی ہیں اور اگر کسی معاشرے میں یہ برائیاں عام ہوجائیں تو ان کی سب سے پہلی زد خاندان کے استحکام اور خوشیوں پر پڑتی ہے جو کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہے اور پھر وسیع تر سطح پر اس معاشرے کا آرٹ و ادب ، تفریحات اور کھیل ، علوم وفنون ، فوجی خدمات اور نظام تہ و بالا ہوکر رہ جاتے ہیں۔

③ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایک جوان مرد کو 'تفریح' کا حق ☆ حاصل ہے، وہ گویا ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ معاشرے میں جسم فروش عورتوں کا طبقہ مستقل طور پر موجود رہنا چاہئے۔

④ معاشرے میں زنا کے عام ہونے سے نکاح کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔جس معاشرے میں ذمہ داریاں قبول کئے بغیر خواہشاتِ نفس کی تسکین کے مواقع حاصل ہوں وہاں افراد نکاح کرکے اپنے سر بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ کیوں ڈالیں گے؟

⑤ زنا کے عام ہونے سے معاشرے کو ایک بڑی تعداد میں بن باپ کے بچے ملتے ہیں جن کا خیرمقدم کرنے کے لئے نہ ماں تیار ہوتی ہے، نہ باپ اور نہ ہی معاشرہ انہیں قبول کرتا ہے۔ وہ ایک مطلوب چیز کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ناگہانی مصیبت کی حیثیت سے والدین کے درمیان آتا ہے۔اسے باپ کی محبت اور وسائل میسر نہیں ہوتے۔ ایسے بچے ناقص اور نامکمل انسان بن کر اُبھرتے ہیں اور معاشرے کیلئے ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔

⑥ زنا کے ذریعے ایک خودغرض انسان جس عورت کو ایک بچے کی ماں بنا دیتا ہے، اس عورت کی زندگی ہمیشہ کے لئے تباہ ہوجاتی ہے اور اس پر ذلت اور نفرتِ عامہ کا ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے کہ جیتے جی وہ اس کے بوجھ کے نیچے سے نہیں نکل سکتی۔ ایک جائز بچے کی ماں اور ایک ناجائز بچے کی ماں کو معاشرہ کبھی بھی مساوی درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور حقیقت میں وہ مساوی ہو بھی کیسے سکتی ہیں؟ [۴]

☆ نبی کریم ﷺ نے ایسے ہی ایک شخص کو جو اسلام کے ساتھ زنا کی اجازت مانگ رہا تھا، سمجھانے کی یہ حکمت عملی اختیار کی کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری ماں، بہن ، بیٹی یا پھوپھی کے ساتھ کوئی غیرمرد زنا کرے۔ اس نے کہا ہرگز نہیں ۔تو آپؐ نے کہا کہ لوگ بھی اس کو ایسے ہی گوارا نہیں کرتے ،جس سے تم زنا کرو گے، وہ بھی تو کسی کی بہن یا بیٹی ہوگی۔ (مسند احمد ۵/۲۵۶، 'حدیث صحیح')

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مخصوص معاشرتی پس منظر کی وجہ سے پاکستان کی خواتین پوری طرح آزاد اور خود مختار نہیں ہوتیں، اس لئے ان غیر مساوی حالات میں زنا کے مقدمات میں عورت کو ملزم بنانا درست نہیں! اسے ایک عمومی اُصول نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اگر اسے عمومی اُصول بنایا جائے تو ایسی صورت میں معاشرے کو برائیوں سے بچانا ممکن نہیں رہتا اور بدکردار لوگوں کو اس جرم کے ارتکاب کے لئے ایک جواز ہاتھ آجاتا ہے۔ نیز محض جنس کی بنیاد پر ایک فریق کو جرم سے مستثنیٰ قرار دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ یہ خود ایک امتیازی سلوک ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا اور یہ آئین پاکستان کی بھی خلاف ورزی ہے۔ تاہم عدالتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی بھی مقدمہ کی سماعت کے دوران اس بات کا خیال رکھیں کہ آیا یہ جرم عورت کی آزاد مرضی سے وقوع پذیر ہوا ہے یا اس میں عورت پر کسی بھی درجے کا جبر موجود تھا۔

❋ کیا سنگساری کی سزا غیر اسلامی ہے؟

ایک رائے یہ ہے کہ اس آرڈی نینس میں بیان کردہ سنگساری کی سزا غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہے کیونکہ قرآنِ مجید کی جس آیت میں جرمِ زنا پر حد کی سزا مقرر کی گئی ہے، اس میں صرف کوڑوں کی سزا مذکور ہے۔⑤ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِاَةَ جَلْدَةٍ﴾ (سورة النور:۲)

''زانی عورت اور زانی مرد ہر ایک کو ۱۰۰، ۱۰۰ کوڑے مارو۔''

یہ بات صحیح ہے کہ مذکورہ آیت میں جرمِ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے بلکہ سو کوڑے مارنا ہے لیکن سنگسار کرنے کی سزا کا جواز ہمیں سنت ِرسولؐ سے ملتا ہے۔ بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے نہ صرف قولاً شادی شدہ زانی کی سزا سنگساری تجویز فرمائی بلکہ آپؐ نے عملاً متعدد مقدمات میں یہی سزا نافذ بھی فرمائی۔ اگر سنگساری سے متعلق احادیث کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سمیت

---

④ 'پردہ' از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص ۱۶۲، اسلامک پبلی کیشنز، اشاعت چھتیسویں، نومبر ۱۹۹۱ء

⑤ رپورٹ خواتین حقوق کمیشن، اگست ۱۹۹۷ء، ص ۴۷

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اکیاون صحابہ کرامؓ نے ان احادیث کو نقل کیا ہے۔[۶] اس طرح یہ سزا سنتِ متواترہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔ (سنتِ متواترہ وہ سنت ہے جسے اتنے لوگوں نے روایت کیا ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو) فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سنتِ متواترہ کا حکم بھی قرآن کے حکم کی طرح ہے۔ اسی طرح غامدیہؓ، ماعزؓ، عسیف اور یہودیوں کے ایک مقدمہ میں آپ ﷺ نے یہ سزا عملاً نافذ بھی فرمائی۔

◉ غامدیہؓ قبیلہ غامد کی عورت تھی۔ اس نے آکر چار مرتبہ اقرار کیا کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے اور اسے ناجائز حمل ہے۔ آپؐ نے اسے پہلے اقرار پر فرمایا: ''واپس چلی جاؤ، اللہ سے معافی مانگو اور توبہ کرو۔'' مگر اس نے کہا: ''یارسول اللہؐ! کیا آپ مجھے ماعزؓ کی طرح ٹالنا چاہتے ہیں، میں زنا سے حاملہ ہوں۔''

آپؐ نے فرمایا: ''اچھا تم نہیں مانتی تو چلی جاؤ اور وضع حمل کے بعد آنا۔''

وضع حمل کے بعد وہ بچے کو ساتھ لے کر آئی اور کہا: ''اب مجھے پاک کر دیجئے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ اور اسے دودھ پلاؤ، دودھ چھوٹنے کے بعد آنا......''

پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی اور ساتھ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لے آئی۔ بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر آپ کو دکھایا اور عرض کیا: ''یارسول اللہؐ اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے اور دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے۔'' تب آپؐ نے بچے کو پرورش کے لئے ایک شخص کے حوالے کیا اور اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔[۷]

◉ متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''کوئی مسلمان شخص جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون تین صورتوں کے سوا کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ ایک یہ کہ جان کے بدلے جان لی جائے (یعنی قصاصاً کسی کو قتل کیا جائے) دوسرا شادی شدہ شخص زنا کرے۔ تیسرا کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے اور اپنی جماعت سے جدا ہو جائے۔''[۸]

---

۶ عدالتی فیصلے از جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی ج ۱ص ۴۴

۷ سنن ابی داود، ترجمہ از علامہ وحید الزماں، حدیث نمبر: ۱۰۳۳، اشاعت ۱۹۸۳ء

۸ صحیح بخاری، باب النفس بالنفس

© rasailojaraid.com

◉ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''اولاد اس کی جس کا بستر ہو اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔''[۹]

خلفاے راشدین کا عمل اور فقہاے اُمت کا اتفاق: آپؐ کے دور کے بعد چاروں خلفاے راشدینؓ نے نہ صرف اس سزا کے شرعی ہونے کا بار بار اعلان کیا بلکہ اپنے دور میں یہ سزا نافذ بھی کی۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ کسی کو اس سزا کے ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا۔ ان کے بعد بھی تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہائے اُمت اس بات پر متفق رہے ہیں کہ جرمِ زنا پر شادی شدہ شخص کے لئے سنگساری کی سزا سنتِ ثابتہ ہے اور کوئی صاحبِ علم اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

اُمتِ مسلمہ کی پوری تاریخ میں سوائے خوارج اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا اور اُن کے انکار کی وجہ بھی یہ نہیں تھی کہ وہ اسے سنتِ متواترہ سے ثابت نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ مذکورہ آیت میں ہر طرح کے زانی کی سزا ۱۰۰ کوڑے مقرر کی گئی تھی، لہٰذا شادی شدہ زانی کے لئے الگ سزا تجویز کرنا قانونِ خداوندی کے خلاف ہے۔ حالانکہ اُنہوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ جو وزن رکھتے ہیں، وہی وزن ان کی اس تشریح کا بھی ہے جو آپؐ کی سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔

خوارج اور بعض معتزلہ کی دلیل کو درست نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بے شمار قرآنی احکامات ایسے ہیں جن کی تشریح ہمیں سنت سے ملتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم مطلق ہے اور کہیں بھی چوری شدہ چیز کی حد مقرر نہیں کی گئی۔ اس کی تشریح ہمیں سنت سے ملتی ہے۔ اگر ہم سنت میں مذکور تشریح کو درخورِ اعتنا نہ سمجھیں تو ایک سوئی یا ایک بہت معمولی چیز کی چوری پر بھی ہمیں چور کا ہاتھ کاٹنا پڑے گا۔ اسی طرح قرآنِ مجید میں محرمات کے ذکر میں صرف رضاعی بہن اور رضاعی ماں کو محرم قرار دیا گیا ہے جبکہ رضاعی بیٹی کی حرمت سنت میں مذکور ہے۔ اسی طرح قرآن میں صرف دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنے سے

---

(۹) صحیح بخاری، ترجمہ از علامہ وحید الزماں، حدیث: ۶۸۱۸

منع کیا گیا ہے جبکہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنے کے بارے میں کوئی حکم قرآن میں مذکور نہیں۔ اس کا حکم بھی ہمیں سنت میں ملتا ہے۔ اسی طرح قرآنِ مجید ہمیں حکم دیتا ہے کہ خرید وفروخت کرتے وقت گواہ بنالو۔ اب اگر ہم خوارج اور معتزلہ کے استدلال کو صحیح مان لیں تو وہ تمام خرید وفروخت ناجائز ہوجاتی ہے جو دن رات ہماری دوکانوں پر گواہوں کی غیر موجودگی میں ہوتی ہے۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں، اس طرح کی بے شمار مثالیں ہمیں قرآن وسنت میں ملتی ہیں۔[10]

☜ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنگساری کی سنتِ مذکورہ کے تمام فیصلے سورۂ نور کی مذکورہ آیت کے نزول سے پہلے کے ہیں لیکن یہ سوال بھی محض ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ احادیث کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ سورۃ النور کی مذکورہ آیت کے نزول کے بعد بھی آپ ؐ نے سنگسار کرنے کا حکم نافذ فرمایا۔ سورۂ نور کا نزول ۵ ہجری میں غزوۃ بني المُصطلق کے بعد اس وقت ہوا جب بعض منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی جبکہ آنحضرت ؐ کے عہدِ مبارک میں رجم کا جو سب سے پہلا واقعہ ہوا تھا، وہ یہودیوں کا واقعہ تھا جو ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد پیش آیا۔

☜ اس سلسلہ میں ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ مذکورہ آیت میں بیان کردہ سزا عام ہے جس میں شادی شدہ یا غیر شادی شدہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر مذکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر سنگساری کی سزا کو حکم شرعی مان لیا جائے تو اس سے لازم ہوجائے گا کہ حدیث نے قرآنِ کریم کی اس آیت کو منسوخ کردیا نیز یہ خیال کہ سنت میں شادی شدہ زانی کے لئے سنگساری کی جو سزا تجویز کی گئی ہے وہ سورۃ النور کی مذکورہ آیت سے متصادم ہے، بھی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سورۃ النور کی مذکورہ آیت عام ہے اور سنت میں مذکور حکم خاص صورت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور فقہ کا اُصول یہ ہے کہ جہاں ایک جگہ حکم عام ہو اور دوسری جگہ خاص تو اُن کو نہ تو باہم متصادم سمجھا جائے گا اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ ایک قانون نے دوسرے قانون

---

[10] تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی، ج ۳ ص ۳۲۷

www.KitaboSunnat.com

کو منسوخ کردیا۔اس کی دو توجیہات ممکن ہیں: ایک یہ کہ سنت نے سورۃ النور کی آیت میں تخصیص پیدا کرکے اس کے حکم کو غیر شادی شدہ زانی کی حد تک محدود کردیا اور دوسری یہ کہ سنت نے سورۃ النور کے حکم کو نہ تو منسوخ کیا ہے اور نہ ہی تخصیص کی بلکہ وہ اپنے عموم پر برقرار ہے۔البتہ شادی شدہ زانی بیک وقت دونوں سزاؤں کا حقدار ہوتا ہے۔قرآن کی رو سے کوڑوں کا اور سنت کی رو سے سنگساری کی سزا کا،لیکن فقہ کا اُصول یہ ہے کہ ''چھوٹی سزا بڑی سزا میں مدغم ہوجاتی ہے۔'' لہٰذا عملاً صرف سنگساری کی سزا دی جائے گی۔قرآن کے عموم کی تخصیص سنتِ متواتر کے ذریعے بالاجماع جائز ہے اور اس مسئلہ پر کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔[11]

اس بحث کی مثال اگر ہم موجودہ دور سے لینا چاہئیں تو تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر ۳۷۹ میں چور کی سزا ۳ سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں تجویز کرتی ہے، اس میں ہر طرح کا چور شامل ہے خواہ اس نے کسی رہائشی مکان سے چوری کی ہو یا دوکان سے۔ جبکہ دفعہ نمبر ۳۸۰ میں یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص کسی رہائشی مکان میں چوری کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا ۷ سال قید تک ہوسکتی ہے۔اس دفعہ میں ایک خاص قسم کی چوری کا ذکر ہے جو دفعہ نمبر ۳۷۹ کے عموم میں بھی داخل تھی تو کیا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ دفعہ ۳۸۰ دفعہ ۳۷۹ سے متصادم ہے یا دفعہ ۳۸۰ نے دفعہ ۳۷۹ کو منسوخ کردیا۔ یہی صورتحال زانی کی سزا کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے۔[12]

❋ کیا سنگساری اور کوڑوں کی سزائیں ظالمانہ ہیں؟

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حدود کی سزائیں ظالمانہ اور سخت ہیں اور بعض لوگ تو اُنہیں وحشیانہ بھی قرار دیتے ہیں۔

انسانی نفسیات یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں فائدے اور نقصان کا موازنہ کرتا ہے اگر فائدے کا پہلو غالب ہوتا ہے تو کرگزرتا ہے اور اگر نقصان کا پہلو غالب ہوتا ہے تو گریز کرتا ہے۔چنانچہ انسان ارتکابِ جرم میں بھی اسی اصول کو پیش نظر رکھتا ہے۔اگر اسے فائدے کی اُمید زیادہ اور سزا کی کم تو وہ اس جرم کا ارتکاب کرگزرے گا اور اگر اس کی سزا شدید ہوگی تو

---

(11) إرشاد الفحول از علامہ شوکانیؒ،ص ۱۵۷

(12) عدالتی فیصلے از جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، ج۱ص ۲۴،۲۵

وہ اس جرم سے دور رہے گا۔ شریعتِ اسلامیہ نے ہی انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے سزائیں مقرر فرمائی ہیں۔ جو جرائم معاشرے کے لئے خطرناک ہیں، ان پر نرمی برتنا معاشرے کے لئے زیادہ نقصان دہ ہوسکتا ہے اس لئے اس میں زیادہ سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔[۱۴]

سنگساری کی سزا: جہاں تک سنگساری کی سزا کا تعلق ہے، اس کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ ایک تکلیف دہ طریقہ ہے۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سنگساری کی سزا دراصل سزاے موت ہی ہے اور قوانین عالم میں متعدد جرائم کی سزا موت تجویز کی گئی ہے۔ سزاے موت کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں مثلاً پھانسی دینا، تلوار سے قتل کرنا، گیس کے ذریعے مارنا، بجلی کے جھٹکے سے مارنا، گولی سے مارنا یا پتھروں سے مارنا وغیرہ۔ یہ سب موت کے طریقے ہیں لیکن موت اپنی جگہ ایک ہی ہے۔ اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ گولی سے موت جلد واقع ہوجاتی ہے اور پتھروں سے ہر صورت میں موت دیر سے آتی ہے تو ایسا شخص کھلی غلطی میں مبتلا ہے۔ بعض اوقات گولی بھی صحیح مقام پر نہیں لگتی اور موت میں تاخیر ہوجاتی ہے اور پتھر مقامِ قتل پر لگ جاتے ہیں اور موت فوراً واقع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح گولی مارنے والے کم تعداد میں ہوتے ہیں اور ان کی گولیاں بھی محدود ہوتی ہیں جبکہ پتھر مارنے والوں کی تعداد کثیر ہوتی ہے اور وہ اس وقت تک مارتے رہتے ہیں جب تک اس شخص کی موت واقع نہ ہوجائے۔ ذرا تصور کیجئے کہ ایک آدمی کو سینکڑوں لوگ پتھروں سے مار رہے ہوں تو کیا وہ گولی کی موت سے جلدی نہیں مرجائے گا۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اکثر اوقات پھانسی کی رسی سے موت جلد واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح گیس اور بجلی کے جھٹکے دینے سے بھی موت میں تاخیر ہوجاتی ہے۔

اس سزا کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ موت کے بارے میں یہ سوچنا کہ جلد واقع ہوجائے، نظریۂ سزا کے سراسر منافی ہے کیونکہ موت میں اگر تکلیف اور عذاب کا پہلو نہ رہے تو یہ سب سے معمولی سزا بن جائے۔ کیونکہ لوگ بذاتِ خود موت سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا مرنے کی تکلیف سے ڈرتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ مرنے والے کے لئے تکلیف اور عذاب کی کوئی اہمیت نہیں لیکن معاشرے کے دیگر افراد کو متنبہ اور خوف زدہ کرنے کے لئے اس تکلیف کا

---

[۱۴] اسلام کا فوجداری قانون (مترجم) از عبدالقادر عودہ، ج ۲ ص ۳۸، ۳۹

www.KitaboSunnat.com

ہونا ضروری ہے۔[14]

اسی طرح جو لوگ زانی کی سزاے موت سے اس قدر گھبراتے ہیں وہ اگر اعداد وشمار کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زنا کی وجہ سے ہونے والے قتل کی تعداد دیگر وجوہات کی بنا پر ہونے والے قتل سے نصف ہوتی ہے۔عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی یا بیٹی کو کسی کے ساتھ ملوث دیکھتا ہے تو دونوں کو خود قتل کردیتا ہے اور بعض اوقات قتل کے ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو شدتِ تکلیف میں سنگسار کرنے سے بھی زیادہ سخت ہیں۔اس صورت حال میں سنگسار کئے جانے کی سزا کو اختیار کرنا اس واقعی صورتِ حال کا اعتراف ہے۔[15]

کوڑوں کی سزا: کوڑوں کی سزا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا رُخ مجرم کی مادّی حساسیت کی طرف ہوتا ہے۔جس چیز سے مجرم زیادہ ڈرتے ہیں، وہ جسمانی اذیت ہے۔اس لئے ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے اس نفسیات سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔یہ تصور کہ یہ سزا احترامِ انسانیت کے منافی ہے، ایک بے بنیاد بات ہے۔جب مجرم نے اپنا احترام خود ملحوظ نہیں رکھا تو اس کے احترام کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔[16] نیز ایک یا دو اشخاص کو شدید جسمانی اذیت پہنچا کر لاکھوں اشخاص کو اخلاقی اور معاشرتی نقصان سے بچا لینا اس سے بہتر ہے کہ مجرم کو تکلیف سے بچا کر اس کی پوری قوم کو ایسے نقصان میں مبتلا کردیا جائے جو آنے والی بے گناہ نسلوں پر بھی اثر انداز ہوتے رہیں۔اسی طرح جو لوگ اسلامی سزا کو وحشیانہ قرار دیتے ہیں، وہ دراصل معقولات کی بجائے محسوسات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔جو نقصان ایک فرد پر مرتب ہوتا ہے وہ چونکہ محدود شکل میں محسوس طور پر ان کے سامنے آتا ہے، اس لئے وہ اسے ایک امر عظیم سمجھتے ہیں۔اس کے برخلاف وہ اس نقصان کی اہمیت کا ادراک نہیں کرتے جو وسیع پیمانہ پر پورے معاشرے اور آئندہ نسلوں پر مرتب ہوتا ہے۔[17] جو لوگ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ یا سخت قرار دیتے ہیں انہیں مذکورہ آیت کا یہ حصہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے :

﴿وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ النور:۲)

---

⑭ اسلام کا فوجداری قانون: ج۲/ص۳۷ ⑮ ایضاً: ج۲/ص۳۳

⑯ ایضاً ⑰ 'پردہ' از سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۷۷،۲۷۸

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے دین کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آئے۔''

یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں مجرم کے لئے رحم اور شفقت کا جذبہ تمہارے ہاتھ نہ پکڑے۔ اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ نبی کریمؐ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ

''قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں ایک کوڑا کم کردیا تھا۔'' پوچھا جائے گا ''یہ حرکت تو نے کیوں کی''؟

وہ عرض کرے گا: ''آپ کے بندوں پر رحم کھا کر''

ارشاد ہوگا: ''تو ان کے حق میں مجھ سے زیادہ رحیم تھا''

پھر حکم ہوگا: ''لے جاؤ اسے دوزخ میں''

ایک اور حاکم لایا جائے گا جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کردیا تھا۔ پوچھا جائے گا ''تو نے یہ کس لئے کیا تھا......؟''

وہ عرض کرے گا ''تاکہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔''

ارشاد ہوگا: ''اچھا تو ان کے معاملے میں مجھ سے زیادہ منصف تھا۔''

پھر حکم ہوگا: ''اسے لے جاؤ دوزخ میں......''(۱۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود کے مقدمات میں مجرم کو وہی سزا دی جائے گی جو اللہ نے تجویز کی ہے۔ سنگساری اور کوڑوں کی سزا کی بجائے کوئی اور سزا دینا اگر رحم اور شفقت کی بنیاد پر ہو تو معصیت ہے اور اگر اس خیال کی بنا پر ہو کہ سنگساری اور کوڑوں کی سزا ایک وحشیانہ سزا ہے تو یہ قطعی کفر ہے جو ایک لمحہ کیلئے بھی ایمان کے ساتھ ایک سینے میں جمع نہیں ہوسکتا۔

کوڑوں کی سزا کوئی نئی سزا نہیں ہے جو پہلی مرتبہ متعارف کروائی جارہی ہو۔ اس وقت بھی امریکہ اور انگلینڈ جیسے ممالک میں بعض جرائم کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر ہے حتیٰ کہ پاکستان کی جیلوں میں آج بھی یہ سزا دی جارہی ہے اور عدالت ہی نہیں بلکہ جیل کا ایک سپرنٹنڈنٹ بھی ایک قیدی کو ۳۰ تک کوڑوں کی سزا دینے کا مجاز ہے۔ کوڑوں کی کم از کم تعداد ۱۵ مقرر کی

(۱۸) تفسیر کبیر: ج ۶/ ص ۲۲۵

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے۔کوڑے قسطوں کی بجائے ایک ہی دفعہ لگائے جاتے ہیں اور جسم کے ایک مخصوص حصے پر لگائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ اُصول وضع کیا گیا ہے کہ کوڑوں کی سزا ایسی ہونی چاہئے جو قیدی کو آئندہ جرم کا ارتکاب کرنے سے باز وممنوع رکھ سکے نیز ۱۶ سال سے کم عمر قیدیوں کو بھی ۱۵ تک کوڑوں کی سزا دی جاسکتی ہے۔[19] یہاں شریعت اسلامی میں کوڑوں کی سزا کے اجرا کے طریقہ کار کے بارے میں احکامات کو بیان کرنا بھی مفید ہوگا۔

سزائے قید کے ساتھ تقابل: ہمارے ملک میں رائج دیگر قوانین کی سزا بنیادی سزا ہے جب کہ شریعت میں سزائے قید ایک ثانوی سزا ہے جو صرف معمولی جرائم میں دی جاتی ہے۔ ہر صاحبِ بصیرت بآسانی یہ جان سکتا ہے کہ قید کی سزا جرائم کی بیخ کنی کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔جیلیں قیدیوں سے اَٹی پڑی ہیں، گنجائش سے کہیں زیادہ افراد اپنے اہل وعیال سے دور جیل میں اس طرح پڑے ہیں جس طرح کوئی جانور پنجرے میں پڑا ہو یا کوئی مردہ قبر میں لیٹا ہو۔قیدیوں کے اہل وعیال اور ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا اور ان کی بنیادی ضرورت پوری کرنے والا کوئی نہیں اور وہ الگ ناکردہ گناہوں کی سزا اپنے سرپرست سے محرومی کی صورت میں بھگت رہے ہیں۔ پاکستان کی جیلوں میں قیدیوں کا اندازہ مندرجہ ذیل جدول سے کیا جا سکتا ہے۔

۲۰۰۲ء میں جیلوں میں قیدیوں کے اعداد وشمار یہ تھے کہ پنجاب کی ۳۰ جیلوں میں ۴۹۳۰۱، سندھ کی ۱۶ جیلوں میں ۱۸۴۰۰، سرحد کی ۲۱ جیلوں میں ۹۵۱۵، بلوچستان کی ۱۰ جیلوں میں ۲۶۷۴ اور شمالی علاقہ جات + آزاد کشمیر کی ۹ جیلوں میں ۲۴۶۲ قیدی موجود تھے۔یعنی ملک بھر کی ۸۶ جیلوں میں ۸۲۳۵۲ قیدی، جبکہ گنجائش محض ۳۶۲۹۰ قیدی کی تھی۔

غور کریں کہ ان دونوں سزاؤں میں سے کس میں زیادہ سختی ہے کوڑے لگا دینے میں جس کے بعد وہ آدمی آزادی سے اپنے اہل وعیال میں رہے یا سزائے قید میں کہ اس کی آزادی شرافت، انسانیت اور مردانگی سب کچھ سلب کرلیا جائے۔ایک قیدی جیل خانے کی زندگی اور وہاں کے اخلاقی فساد، ضیاعِ صحت، بیکاری اور کاہلی کی عادات کے ساتھ پہلے سے بڑا مجرم بن

[19] Rule of Suprintendence in management of Prisons in Pakistan. Chapter No.23,Rules No. to 579

© rasailojaraid.com

کر باہر آئے۔ (٢٠)

* کیا حد زنا آرڈی نینس میں عورت گواہی کے حق سے محروم ہے؟

حد زنا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ٨ (ب) کے حوالے سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حدود کے مقدمات میں عورت کو گواہی کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے جو کہ عورتوں کے ساتھ شدید ناانصافی اور امتیازی سلوک ہے۔ اگر ایک عورت کو کسی ایسی جگہ پر ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے جہاں صرف عورتیں گواہ موجود ہیں تو ایسی صورت میں ظالم شخص صرف اس لئے سزا سے بچ جائے گا کہ کوئی مرد گواہ دستیاب نہیں۔ (٢١)

ثبوتِ جرم زنا کے لئے چار گواہوں کی شرط قرآن حکیم کی سورۃ النساء آیت نمبر ١٥ اور سورۃ النور کی آیت نمبر ٤ کی بنیاد پر قانون میں شامل کی گئی ہے۔ بادی النظر میں دفعہ ٨ کے مطالعہ سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ عورتوں کو گواہی کے حق سے محروم کرنے کی حد تک یہ ایک امتیازی قانون ہے لیکن اس قانون کے پردے میں چھپی ہوئی مصلحت پر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کی عزت و تکریم کے پیش نظر ہے۔ اور عصر جدید میں جب جرح کے دوران چشم دید خواتین سے جرم زنا سے متعلق لوازمات اور جرم کے عمل سے متعلق مخصوص سوالات عزت دار مسلمان خواتین کے لئے ذہنی کوفت کا سبب بن سکتے ہیں اور بھری عدالت میں درست واقعات کے واضح بیان میں ہچکچاہٹ کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس طرح خواتین کی فطری شرم وحیا کی وجہ سے مجرم سزا سے بچ سکتا ہے۔ نیز یہ کہ زنا بالرضا کی صورت میں چار مرد گواہوں کا میسر نہ آنا عورتوں کو سزا سے بچانے میں بھی مدد و معاون ثابت ہوتا ہے اور ان کے لئے سہولت کا باعث بنتا ہے۔

زنا بالجبر کا معاملہ البتہ زنا بالرضا سے مختلف ہے۔ اس جرم میں عورت صریحاً زیادتی کا نشانہ بنتی ہے جن حالات میں یہ جرم سرزد ہوتا ہے ان میں عام طور پر چار غیر جانبدار مرد گواہوں کا موجود ہونا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

ان تمام معاملات اور عورتوں کی گواہی کے حوالے سے اعلیٰ عدالتوں کے بہت سے فیصلے

(٢٠) اسلام کا فوجداری قانون از عبدالقادر عودہ، مترجم پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، ج ٢ ص ٨٩

(٢١) رپورٹ خواتین حقوق کمیشن، ص ٣٧

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

منظر عام پر آچکے ہیں۔ قانونِ شہادت مجریہ ۱۹۸۴ء اورعدالتی فیصلہ جات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ این جی اوز کا یہ پروپیگنڈا کہ حدزنا آرڈیننس کے ذریعے عورتوں کو گواہی کے حق سے محروم کردیا گیا ہے، درست نہیں ہے۔

❶ قانونِ شہادت ۱۹۸۴ء کے آرٹیکل ۱۷ کی ذیلی دفعہ '۲ بی' میں صراحت کی گئی ہے کہ

''حدزنا کے نفاذ سے قطع نظر، زنا کے مقدمے میں عدالت ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی پر تعزیر کی سزا دے سکتی ہے۔ (یادرہے کہ یہ سزا ۱۰ سے ۲۵ سال قید بامشقت اور جرمانہ ہے)''

❷ عدالت کو یہ بھی اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اگر مناسب سمجھے تو جرمِ زنا کے اثبات کے لئے گواہوں کی تعداد اور اہلیت کے متعلق بھی فیصلہ کرے۔ عدالت عالیہ نے ایک مقدمہ میں اس اُصول کی حسبِ ذیل الفاظ میں صراحت کی ہے:

''قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ مقدمہ کے حالات و واقعات کے پیش نظر گواہوں کی تعداد اور اہلیت کے تعین کا اختیار عدالت کو حاصل ہے۔'' (۱۹۹۲ء پاکستان کریمنل لاء جرنل صفحہ ۱۵۲۰)

❸ سپریم کورٹ، آزاد کشمیر نے قصاص اور زنا کے مقدمات میں عورت کی گواہی کے حوالے سے مندرجہ ذیل اُصول بیان کیا:

''قصاص اور نفاذِ حدود کے مقدمات میں بھی چار مرد گواہوں کی شہادت کے بعد مزید شہادت کے لئے عورتوں کی گواہی میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔''

(پی ایل ڈی ۱۹۷۹ء سپریم کورٹ (آزاد جموں کشمیر) صفحہ ۵۶)

اس فیصلے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اگر خواتین یہ محسوس کریں کہ حدزنا کے کسی مقدمہ میں چار مرد گواہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں یا درست گواہی نہیں دے رہے ہیں تو واقعہ کی چشم دید گواہ عورتیں بھی عدالت کے روبرو گواہی دے سکتی ہیں۔ اور اصل حقائق کو عدالت کے علم میں لانے کا حق رکھتی ہیں۔

❹ ۱۹۷۹ء میں ایک زنا بالجبر کے ایک مقدمے کا فیصلہ تحریر کرتے ہوئے کراچی ہائی کورٹ نے صرف ایک مظلومہ عورت کے بیان کو کافی گردانا اور قرار دیا کہ

''زنا بالجبر کے کیس میں مقدمہ کے حالات و واقعات کے پیش نظر زیادتی کا شکار ہونے والی عورت کے بیان پر ملزم کو سزا دی جاسکتی ہے۔'' (پی ایل ڈی ۱۹۷۹ء کراچی، صفحہ ۱۴۷)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

⑤ وفاقی شرعی عدالت نے خود بھی بہت سے مقدمات میں عورتوں کی گواہی پر زنا بالجبر کے ملزمان کو سزائیں سنائی ہیں اور عورتوں کے گواہی کے حق کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلے میں اسلامی فقہ کے اصولوں پر انحصار کیا ہے۔ جس کا ثبوت وفاقی شرعی عدالت کی مندرجہ ذیل نظیر سے ملتا ہے۔ متعلقہ مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ

> ''حدود وقصاص کی متعین سزاؤں میں اگرچہ بالعموم فقہا مردوں کی عینی شہادت کو لازم سمجھتے ہیں لیکن حدود سے فروتر تعزیری سزاؤں میں مردوں کی چشم دید شہادت اور شہادت بالقرائن کو بھی ائمہ سلف نے قابل قبول قرار دیا ہے۔'' (پی ایل ڈی ۱۹۸۲ وفاقی شرعی عدالت ص ۱۱۳)

جرم زنا سے متعلق قانون کے تحت عورتوں کی گواہی کا حق تسلیم اور مستند ہونے سے متعلق اور بھی بہت سے فیصلہ جات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا مختصر بحث سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ کہنا غیر درست ہے کہ زنا سے متعلق جرائم کے مقدمات میں عورت کو گواہی کے حق سے محروم کردیا گیا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر تزکیہ الشہود کے معیار پر پورا اترنے والے چار مرد گواہ موجود نہ ہوں تو ملزم کو سنگسار کے ذریعے سزاے موت اور کوڑوں کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ البتہ عورتوں سمیت دیگر گواہوں کی شہادت پر اسے دس سے پچیس سال تک قید سخت اور جرمانے کی سزا سنائی جاسکتی ہے اور یہ سزا اس سزا سے دوگنا ہے جو سابقہ قانون میں تجویز کی گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدود قوانین میں عورت کو گواہی کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان قوانین کے توسط سے ایک عورت کی گواہی پر مجرم کو سابقہ قانون کی نسبت دوگنا زیادہ سزا کے مواقع میسر آ گئے ہیں۔

❋ کیا اس آرڈی نینس کا غیر مسلموں پر اطلاق درست ہے؟

حد زنا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۸ کے حوالے سے اقلیتوں کے نمائندے بارہا اس بات کا اظہار کرچکے ہیں کہ اُس قانون سازی کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہونا چاہئے جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات ہیں بلکہ ان کے شخصی قوانین کے مطابق انہیں سزا دی جائے۔[۴۲]

دراصل یہ اعتراض ایک بڑی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ شخصی قوانین میں تو ہر مذہب سے تعلق

[۴۲] رپورٹ خواتین کمیشن، ص ۷۴

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

رکھنے والے فرد کو یہ مکمل آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کروائے۔ مثال کے طور پر نکاح وطلاق کے قوانین یاوراثت کے قوانین۔ لیکن وہ ملکی قوانین جن کا تعلق امن وامان اور معاشرے سے جرائم کی بیخ کنی سے ہوتا ہے، ان کا اطلاق بلاتمیز سب شہریوں پر کیا جاتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ پوری دنیا میں یہی اُصول رائج ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان عورت امریکہ میں اگر ظلم کا شکار ہوتی ہے تو وہ یہ مطالبہ نہیں کرسکتی کہ ظالم کو سزا اسلامی قوانین کے مطابق دی جائے، بلکہ وہاں کے ملکی قانون کا اطلاق ہوگا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اسلامی سزاؤں کا مقصد جرم کا سدباب اوران کی بیخ کنی ہے۔ اگر یہ اصول اپنا لیا جائے کہ مسلمانوں کوتو زنا کے جرم میں کوڑے مارے جائیں اور غیر مسلموں کو اس حد سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو اس سے اس جرم کے ارتکاب کا ایک دروازہ کھل جائے گا اور معاشرے میں ان جرائم کی تعداد میں اضافہ ہوجائے گا۔ سزا دینے کا مقصد جرم کا سدباب کرنا اور مجرم پر سزا نافذ کرکے دوسروں کو تنبیہ کرنا ہے۔ چونکہ یہ سزائیں ملکی قوانین کے تحت مقرر کی گئی ہیں لہٰذا مسلم اور غیر مسلم دونوں کو جرم کا ارتکاب کرنے پر دی جائیں گی۔☆

❊ عیسائیوں کے قانونِ طلاق کا مسئلہ

ایک سوال یہ بھی اُٹھایا جاتا ہے کہ عیسائیوں کے قانونِ طلاق ۱۸۶۹ء کی دفعہ نمبر ۱۰ کے مطابق کوئی بھی عیسائی عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے اپنے شوہر پر نہ صرف زنا کا الزام لگانا پڑتا ہے بلکہ اسے ثابت بھی کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں حدود کے قوانین کا غیر مسلموں پر اطلاق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ عیسائیوں کے طلاق کے ہر مقدمہ میں ایک فریق کو حد زنا

☆ وفاقی شرعی عدالت نے زعفران بی بی کیس میں فیصلہ سناتے ہوئے قرار دیا ہے کہ
''حدود قوانین ایک اسلامی ریاست کے شہریوں کو بلاتفریق جنس، دولت، مذہب، ذات، رنگ و زبان وغیرہ پرامن زندگی گزارنے کی ضمانت مہیا کرتے ہیں اوران کے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور دیگر تجاوزات کے مقابلے میں تحفظ فراہم کرتے ہیں۔'' (PLD 2002 FSC-1)

یا حد قذف کی سزا☆ کا سامنا کرنا ہوگا۔(۴۳)

دراصل عیسائیوں کے قانونِ طلاق میں زنا اور قذف کے الزام کو ثابت کرنے کے لئے وہ معیارِ ثبوت درکار نہیں ہے جو حدود کے قوانین میں درکار ہے، اس لئے عیسائیوں کے ہر مقدمہ طلاق میں حد زنا یا حد قذف کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عیسائیوں کے قانون کی خامی ہے نہ کہ حد زنا آرڈی نینس کی!

❋ کیا حد زنا ایک بے فائدہ قانون ہے؟

یہاں اس اعتراض کو زیر بحث لانا مفید ہوگا کہ پاکستان میں آج تک کبھی حد زنا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۵ کے تحت حد کی سزا نافذ نہیں ہوئی جبکہ پوری اسلامی تاریخ میں معدودے چند واقعات میں حد کی سزا نافذ نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس طرح کی قانون سازی کا کیا فائدہ جو عملی طور پر نافذ نہ کی جائے۔

یہ اعتراض بھی دراصل غلط فہمی کا نتیجہ ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شریعت کا مطمح نظر ہرگز یہ نہیں کہ بڑی تعداد میں لوگوں کو سخت سزائیں دی جائیں بلکہ حد کی سزا دراصل ایک انسدادی تدبیر ہے تاکہ بے حیائی معاشرے میں اس حد تک نہ پھیل سکے کہ لوگ اس جرم کا

☆ یہ بات تو عیسائی بیوی کے حق میں جاتی ہے کہ اگر وہ خاوند پر زنا کاری کا الزام ثابت کردے تو طلاق کے ساتھ ساتھ اسے مجرم کو جرمِ زنا کی مروّجہ سزا دلوانے کا استحقاق بھی حاصل ہوجائے۔ اسی طرح حدود قوانین کے ذریعے ایک عیسائی خاوند کو بھی یہ قانونی حق حاصل ہوگیا ہے کہ اگر اس کی بیوی اس پر زنا کاری کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتی ہے تو وہ اسے اس گھناؤنے طرزِ عمل پر عدالت کے کٹہرے میں لاسکے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ حدود قوانین عیسائیوں کے قانونِ طلاق میں مداخلت یا مشکلات پیدا کرنے کے بعد، طلاق کے مقدمے کا فیصلہ ہوجانے کے بعد مبنی برحق موقف رکھنے والے فریق کو مزید دادرسی کے مواقع مہیا کرتا ہے۔ مذکورہ بالا اعتراض ایک اور بنیاد پر بھی اپنی 'ہمہ گیری' سے محروم ہوجاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ بہت سے عیسائی ممالک میں بھی 'روشن خیال' عیسائی فرقوں نے طلاق کے قانون میں اوپر بیان کردہ واحد وجہ میں وسعت پیدا کرلی ہے اور اب خاوند پر زنا کاری کا جھوٹا یا سچا الزام لگائے بغیر متعدد دیگر موجبات کی بنا پر بھی عدالتوں کے ذریعے خاوند سے قانونی علیحدگی کا حکم نامہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۴۳) رپورٹ خواتین کمیشن، ص ۴۷

www.KitaboSunnat.com

ارتکاب اس طرح کھلم کھلا کریں کہ چار گواہ بھی دستیاب ہوجائیں۔⦿ مغرب میں جہاں یہ انسدادی تدبیر موجود نہیں ہے، وہاں حالت یہ ہے کہ لوگ علی الاعلان زنا کاری کا ارتکاب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جہاں چار نہیں بلکہ سینکڑوں گواہ میسر ہوسکتے ہیں لیکن کوئی قانون ایسا نہیں جو اُنہیں اس کھلی بے حیائی سے باز رکھنے کے لئے آگے بڑھے۔

❋ کیا مظلوم خاتون کو ملزمہ بنانا درست ہے؟

حد زنا آرڈی نینس پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ زیادتی کا شکار خاتون جب رپورٹ درج کروانے کے لئے تھانہ جاتی ہے تو اسے زنا بالرضا کا ملزم گردانتے ہوئے دھر لیا جاتا ہے اور اگر وہ رپورٹ درج نہیں کرواتی تو بعد ازاں حاملہ ہونے کی صورت میں اس پر مقدمہ قائم کیا جاتا ہے۔اس طرح اس قانون کو خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔[۴۴]

ہمارے ہاں تھانوں میں عام طور پر اسی بات کا چلن ہے لیکن اس میں قصور حد زنا آرڈی نینس کا نہیں بلکہ اُن قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ہے جو اس قانون کا سہارا لے کر خواتین کو بدنامی، قید اور مقدمہ بازی کا عذاب جھیلنے پر مجبور کرتے ہیں۔اس کی سب سے بڑی مثال زعفران بی بی کیس ہے جس میں زعفران بی بی نے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی رپورٹ متعلقہ تھانے میں درج کروائی جس میں اس نے واضح طور پر یہ موقف اختیار کیا کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا گیا ہے لیکن بعد ازاں اس کا طبی معائنہ کروانے کے بعد اسے بھی اس مقدمہ میں شریکِ ملزم بنا☆ دیا گیا۔[۴۵]

اس حوالے سے قانون نافذ کرنے والے بہت سے ادارے دیگر قوانین کا غلط استعمال

⦿ اس طرح زنا کرنا کہ چار گواہ میسر ہوجائیں، کی اسلام میں سنگین سزا محض زنا کاری سے زیادہ اس بغاوت کی ہے جو اللہ کو سخت ناپسند اور معاشرے میں بھی انتشار کا باعث بنتی ہے۔

[۴۴] رپورٹ کمیشن،ص ۲۷ [۴۵] زعفران بی بی بنام سرکار PLD 2002 FSC.1

☆ اسلام کی رو سے ایسی عورت کے بیان اور قرائن سے تصدیق ملنے پر اس عورت کو نہ صرف معافی دی جائے گی بلکہ حضرت عمرؓ نے ایسی عورت کو تحائف اور دل جوئی کے کلمات کے ساتھ واپس کیا۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۵۰۰،مصنف عبدالرزاق: ۱۳۶۶۳) کنواری عورت سے اگر کوئی زنا بالجبر کرے تو امام زہری کے قول کے مطابق زانی پر حد کے علاوہ کنواری کا صداق دینا بھی واجب کیا جائے گا۔(مصنف عبدالرزاق: ۱۳۶۵۶)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں لیکن اس بنا پر قوانین کو ختم نہیں کیا جاتا۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے قانون کا غلط استعمال کرنے والوں کی تربیت اور تادیب کا خاطر خواہ انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔

ہماری رائے میں اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کے اندراج سے لے کر تکمیل تفتیش تک کے تمام اختیارات پولیس سے واپس لے لئے جائیں۔ ایسے تمام مقدمات استغاثہ کی صورت میں براہِ راست عدالت میں دائر کئے جائیں اور عدالت خود ان مقدمات کی تفتیش کرے اور صرف انتہائی ضرورت کے تحت کوئی بھی معاملہ کسی تفتیشی ایجنسی کو بھیجا جائے تاکہ اس بات کا یقین کرلیا جائے کہ اس ایجنسی کے متعلقہ اہل کار دیانتدار اور امین ہونے کی شہرت رکھتے ہوں نیز ایسے مقدمات کی تفتیش اور سماعت کے لئے میعاد کا تعین کردیا جائے۔

❊ خواتین کے خلاف دفعہ ۱۶ کے تحت مقدمات کا اندراج کیوں؟

اس دفعہ☆ کے الفاظ پر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس کا اطلاق خواتین پر نہیں ہوتا بلکہ اس مرد پر ہوتا ہے جو بُری نیت کے ساتھ کسی عورت کو بہلا

سابقہ حاشیہ: حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک کنواری اور شادی شدہ عورت ہر دو سے زنا کے مجرم کو مہر مثل ادا کرنے کا پابند بھی کیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۶۵۷)

وفاقی شرعی عدالت نے زعفران بی بی کیس میں حسبِ ذیل صراحت کی ہے:

''اگر کسی عورت کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس جرم کے سرزد ہونے کے بعد زیادتی کا شکار عورت کو کسی طرح کی سزا نہیں دی جاسکتی، چاہے وہ حد ہو یا تعزیر، البتہ دوسرا فریق جو زیادتی کا مرتکب ہوا ہے وہ نفاذِ حد یا تعزیری سزا کا مستحق ہے۔'' (پی ایل ڈی ۲۰۰۲ء وفاقی شرعی عدالت، صفحہ نمبر۱)

اس فیصلہ میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ

''اگر کوئی غیر شادی شدہ عورت یا شادی شدہ خاتون جس کی رسائی اس دوران اپنے شوہر تک نہیں تھی، حاملہ پائی جاتی ہے اور یہ موقف اختیار کرتی ہے کہ یہ حمل زنا بالجبر کی وجہ سے قرار پایا ہے تو اس پر نفاذِ حد کی سزا لاگو نہیں کی جاسکتی، جب تک کہ اسے وہ تمام حالات بیان کرنے اور سچائی ثابت کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اور یہ بات نکھر کر سامنے نہ آجائے کہ اس جرم میں اس کی بلا جبر و اکراہ رضا مندی شامل تھی۔''

☆ دفعہ ۱۶ کا متن یہ ہے: ''جو کوئی کسی عورت کو اس نیت کے ساتھ بہلا پھسلا کر لے جاتا ہے کہ وہ اس شخص سے مباشرت کرے گی یا اس (مباشرت کی) نیت سے اسے چھپا کر رکھتا ہے یا قید کرتا ہے تو اسے سات سال تک قید، ۳۰ تک کوڑوں اور جرمانے کی سزا دی جاسکے گی۔''

© rasailojaraid.com

پھسلا کر لے جاتا ہے۔وفاقی شرعی عدالت اپنے متعدد فیصلوں میں اس دفعہ کے الفاظ کی تشریح کے دوران یہ اُصول طے کرچکی ہے کہ اس دفعہ کا اطلاق صرف مردوں پر ہوتا ہے اور خواتین پر اس دفعہ کے تحت نہ تو مقدمہ قائم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُنہیں سزا دی جاسکتی ہے۔⁽²⁶⁾ لیکن عملی طور پر کیا ہورہا ہے، اسکا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ دفعہ ۱۶ کے تحت عورتوں کو غلط طور پر ملوث کرنے کے راولپنڈی میں ۴۷ فیصد اور اسلام آباد میں ۴۳ فیصد واقعات ہوتے ہیں۔

اتنی بڑی تعداد میں اس دفعہ کا خواتین کے خلاف غلط استعمال لمحہ فکریہ ہے اور فوری طور پر اس کا سدباب ہونا چاہیے، تاہم یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اس میں اس دفعہ کا کوئی قصور نہیں ہے اور حد زنا آرڈی نینس کو موردِ الزام ٹھہرانا سراسر ناانصافی ہے۔اس کی اصل ذمہ دار پولیس اور ہمارا گھسا پٹا عدالتی نظام ہے۔

بے شک بعد ازاں مقدمہ کی کارروائی کے دوران عدالتیں اس دفعہ کا عورتوں پر اطلاق نہ ہونے کی بنیاد پر اُنہیں 'باعزت' بری کردیتی ہیں لیکن تفتیش و عدالتی طریق کار کی خامیوں کی بنا پر ایسی عورت کو ایک لمبے عرصے تک جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔ یا اگر خوش قسمتی سے اس کی ضمانت کا بندوبست ہوجائے تو پیشیاں بھگتنے کے لئے کچہری کے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مقدمہ میں گلشن رانی نامی ایک عورت ڈیڑھ سال کے عرصہ تک جیل میں رہی اور بعد ازاں اسے اس بنا پر بری کردیا گیا کہ اس دفعہ کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا۔

اس معاملے کا یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ ولی کی رضا مندی کے بغیر نکاح کرلینے کے بعد بہت سے مقدمات میں خاتون معاشرتی اور خاندانی دباؤ کی بنا پر لڑکے پر الزام دھر دیتی ہے کہ اس نے اس کے ساتھ جبراً نکاح کیا۔یوں اس مرد کو اور بعض واقعات میں اس کے پورے خاندان کو اغوا اور زنا کے مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

❋ حد زنا آرڈی نینس کا خواتین کے خلاف غلط استعمال کیوں؟

اس آرڈی نینس کی دفعات کو خواتین کے خلاف غلط طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔خواتین کو محض ذاتی رنجشوں کی بنیاد پر انتقام کا نشانہ بنانے کے لئے حدود کے مقدمات میں پھنسایا جاتا

⁽²⁶⁾ نور محمد بنام سرکار PCr.LJ.2140 1999، مسماۃ فوزیہ بنام سرکار PCr.LJ 1995

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ جیلوں میں بند خواتین میں ۸۰ فیصد سے ۹۰ فیصد خواتین کے خلاف اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات درج ہوتے ہیں۔[۴۷]

حد زنا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۲۰ کے تحت چونکہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعات کا اطلاق حد زنا آرڈی نینس پر بھی ہوتا ہے اور جو طریقہ کار دیگر مقدمات میں مقدمہ کے اندراج سے لے کر مقدمہ کی سماعت تک اختیار کیا جاتا ہے، وہی اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کی سماعت کے لئے بھی اختیار کیا جاتا ہے اور اس کے لئے الگ سے کوئی ضابطہ یا طریقہ کار وضع نہیں کیا گیا لہٰذا مقدمہ کے اندراج سے تکمیل تفتیش تک پولیس کو بے پناہ اختیارات حاصل ہیں۔ ہماری موجودہ پولیس نے جس طرح دیگر جرائم کے اندر رشوت ستانی، اقربا پروری، ناانصافی اور تشدد کا بازار گرم کر رکھا ہے، اس آرڈی نینس کے تحت درج ہونے والے مقدمات میں بھی وہ سارا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدزنا آرڈ نینس آج شدید تنقید کی زد میں ہے اور پولیس کے کردار کو بھی حد زنا آرڈی نینس کے کھاتہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اصل خرابی یعنی پولیس کے کردار کو ٹھیک کرنے کے بجائے اس آرڈی نینس کو منسوخ کرنے کے لئے اتنا شور مچایا جارہا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

پولیس کو جو اختیارات ضابطہ فوجداری کے تحت دیئے گئے ہیں، پولیس اُن اختیارات کا نہ صرف غلط استعمال کرتی ہے بلکہ اس نے اپنے لئے مزید اختیارات بھی وضع کر لئے ہیں۔ حد زنا آرڈی نینس کی آڑ میں گھروں کے اندر چھاپے مارنا، راہ چلتے لوگوں کو روک کر ان کے نکاح نامے چیک کرنا، محض شک کی بنیاد پر لوگوں کو خاص طور پر خواتین کو گرفتار کرنا اور مظلوم خواتین کو بھی شریک ملزم گردانتے ہوئے ملزمہ بنا دینا روز کا معمول ہے جس سے پاکستان کا ہر شہری بخوبی واقف ہے۔ اسی طرح ایسے جرائم کے تحت گرفتار ہونے والی خواتین پر پولیس حراست کے دوران جنسی تشدد کی خبریں بھی آئے روز اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔

ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۱۷۳ واضح طور پر تفتیش کے لئے ۱۵ دن کی مدت کا تعین کرتی ہے لیکن پولیس اس دفعہ کی واضح خلاف ورزی کرتے ہوئے مہینوں اور بعض کیسوں میں

---

[۴۷] رپورٹ خواتین حقوق کمیشن ۱۹۹۷ء، ص ۷۱

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

سالوں تک تفتیش مکمل نہیں کرتی۔ کبھی تو سرے سے چالان عدالتوں کو بھیجا ہی نہیں جاتا اور اگر خوش قسمتی سے جلدی بھیج بھی دیا جائے تو وہ نامکمل ہوتا ہے۔ نیز پولیس کے گواہوں کی عدم دلچسپی، عدالتی سمنوں کو اتنی اہمیت نہ دینا، شہادت کیلئے وقت پر عدالت میں پیش نہ ہونا، ان وجوہات کی بنیاد پر بھی اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر ہوجاتی ہے۔

اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ حد زنا آرڈی نینس ہی نہیں بلکہ ہمارا پورا نظام بااثر اور صاحبِ ثروت افراد کے ہاتھوں میں کھلونا بن کے رہ گیا ہے جسے زیردستوں اور معاشرے کے کمزور طبقات پر ظلم ڈھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ قوانین کو ختم کرنے کی بجائے خرابی کے اصل محرکات کو تلاش کرنا چاہیۓ اور ان کی بیخ کنی کیلئے مؤثر اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

ہم یہاں اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ضابطہ فوجداری کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وفاقی شرعی عدالت آج تک اس ضابطہ کی قباحتوں اور خامیوں کو دور کرنے کے لئے کوئی عملی تجاویز دینے سے قاصر رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دراصل حد زنا آرڈی نینس ناکام نہیں ہوا بلکہ انگریز کا بنایا ہوا ۱۸۹۸ء کا گھسا پٹا ضابطہ فوجداری ناکام ہوا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جیلوں میں ۸۰ فیصد سے ۹۰ فیصد خواتین کے خلاف حد زنا آرڈی نینس کے تحت مقدمات درج ہوتے ہیں، یہ درست نہیں، بلکہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں لئے گئے اعداد وشمار کے ایک جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعویٰ مبالغہ آرائی پر مبنی ہے۔

سنٹرل جیل کراچی کی ۲۸۰ خواتین قیدیوں میں حدود کی ملزمہ خواتین ۸۰ تھیں، یعنی ۲۸ فیصد
اڈیالہ جیل، پنڈی کی ۱۲۵ خواتین قیدیوں میں حدود کی ملزمہ خواتین ۳۱ تھیں، یعنی ۲۴ فیصد
کوٹ لکھپت لاہور جیل کی ۹۷ خواتین قیدیوں میں حدود کی ملزمہ ۴۸ تھیں، یعنی ۴۹ فیصد

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کل ۵۰۲ خواتین میں ۱۵۹ یعنی ۳۱ فیصد خواتین کو حدود کی بنا پر مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے ہی جولائی ۲۰۰۳ء میں صوبہ سرحد میں خواتین قیدیوں کی تفصیلات کا جائزہ لیا گیا تو کل ۱۷۲ قیدی خواتین میں ۵۲ یعنی ۳۲ فیصد خواتین حدود کے مقدمات کا سامنا کررہی تھیں۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

❋ نکاح پر نکاح کے مقدمات کا مسئلہ

ایک شادی شدہ عورت جب اپنے شوہر کے ظلم وستم کا شکار ہوتی ہے یا اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن نہیں ہوتی تو اس کے لئے اس بات کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ یا تو وہ اسے اپنی قسمت کا لکھا ہوا سمجھ کر رو دھو کر ساری زندگی گزار دے یا پھر اپنے والدین یا بھائیوں کے ہاں جاکر اپنے شوہر سے طلاق لینے کے لئے چارہ جوئی کرے۔ عام طور پر ہمارے عدالتی نظام کی پیچیدگیوں نیز ہمارے معاشرے میں عورتوں کے عدالت میں جانے کو معیوب سمجھنے کا تصور اُنہیں عدالت میں جانے سے باز رکھتا ہے اور عام طور پر برادری یا علاقہ کے مؤثر افراد کو جرگہ کی صورت دے کر طلاق لے لی جاتی ہے۔لیکن عائلی قوانین سے عدمِ واقفیت اور مسلم فیملی لا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ے میں دیئے گئے طریقہ کار کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ایسی خواتین پہلے شوہر سے اپنی طلاق کو ثابت نہیں کر پاتیں۔

مسلم فیملی لا آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ے کے تحت ایک مرد کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تحریری طلاق دینے کے بعد اس کی ایک نقل ثالثی کونسل کو بھی ارسال کرے اور ۹۰ دن گزرنے کے بعد سرٹیفکیٹ طلاق حاصل کرے جو کہ طلاق کا قطعی ثبوت ہوتا ہے۔ لیکن کبھی تو جان بوجھ کر اور کبھی قانون سے عدم واقفیت کی بنا پر وہ ایسا نہیں کرتا۔اگرچہ اسی دفعہ میں اس بات کا ذکر بھی موجود ہے کہ جو شوہر ثالثی کونسل کو طلاق کا نوٹس نہیں بھیجے گا، اسے ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔لیکن بعض پیچیدگیوں کی بنا پر اس پر عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ نیز عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ ثالثی کونسل کو طلاق سے متعلق نوٹس بھیج سکے جس کی وجہ سے وہ خود ایسا نوٹس بھیج کر طلاق سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔

حد زنا آرڈی نینس کے تحت درج ہونے والے مقدمات میں سے ایک بڑی تعداد ان مقدمات کی ہے جن کا اندراج ان خواتین کے خلاف کیا جاتا ہے جو پہلے خاوند سے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی کر لیتی ہیں لیکن طلاق کا قطعی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ایسے مقدمات کا سامنا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اڈیالہ جیل راولپنڈی میں طاہرہ نامی ایک عورت بند ہے اس کی پہلی شادی ۱۹۸۸ء میں اپنے چچازاد سے ہوئی جو بعد ازاں گھریلو ناچاقی کے نتیجہ میں زبانی

© rasailojaraid.com

طلاق پر منتج ہوئی۔ طاہرہ تقریباً چھ ماہ اپنے والدین کے گھر رہی اور پھر ایک دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اس نکاح کے تقریباً ڈھائی سال گزرنے کے بعد اس کے سابقہ شوہر نے اس کے خلاف نکاح پر نکاح کرنے کا مقدمہ درج کروایا دیا اور وہ تقریباً تین سال سے اپنے پانچ سالہ بیٹے اور شوہر کے ساتھ جیل میں ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ اس کے پاس پہلے شوہر سے طلاق کا کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس میں قصور کس کا ہے حدزنا آرڈی نینس کا یا مسلم فیملی لا آرڈی نینس ۱۹۶۱ء کا؟

© rasailojaraid.com